

## غفرانمآب سے رحمت مآب تک

مشہور صحافی جناب سلامت رضوی صاحب

”علم کوئی جامد شے نہیں ہے کہ یک بیک ذہن انسانی پر القا ہو جائے۔ اس کے حصول کے لیے سخت سے سخت محنت، جفاکشی اور ایثار کی ضرورت ہوتی ہے۔“

اب اگر علم کوئی جامد شے ہوتی، تو یقیناً اسلاف پرستی جائز تھی۔ لیکن جب ایسا نہیں ہے تو ہم ان علماء کے متعلق صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے عہد کے یکتائے روزگار عالم تھے۔ علم آگے بڑھ رہا ہے، تحقیق ہر روز نئے انکشافات

سامنے لا رہی ہے، انسان مختلف زمانوں — ”پتھر کا زمانہ“ ”لوہے کا زمانہ“ ”مشیّن کا زمانہ“ ”ایٹم کا زمانہ“ سے گذر کر اب ”فضا کے زمانے“ میں داخل ہو گیا ہے اور آگے نہ جانے اور کتنے زمانوں سے گذرے گا۔ سو برس پہلے تک ہمارے بزرگ ہوائی جہاز، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ کا مذاق اڑاتے تھے آج وہ ایک حقیقت بن کر ہمارے سامنے ہے۔ اب چند امانوں کے اندر نہ بڑھیا موجود ہے، نہ اس کا چرخا۔

اس لیے ہمیں ”لکیر کا فقیر“ بن کر ہر چیز پر آمنا و صدقنا نہیں کہنا چاہئے عقل و درایت کو بھی استعمال میں لانا چاہئے۔ علم اور تحقیق کی ترقی کے ساتھ روشن خیالی بھی بڑھتی جا رہی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اب مذہب بھی اس سے محفوظ نہیں رہا ہے آج کی نسل کو رانہ تقلید سے گریزاں ہے۔

اس سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک بہت اچھی بات کہی ہے، آپ بھی پڑھئے اور غور کیجئے فرماتے ہیں:-  
اگر ہم زندگی کی ناگوار یوں میں سہارے

جس طرح یہ حقیقت ہے کہ لکھنؤ گزشتہ دو سو سال سے مرکز شیعیت بنا ہوا ہے اسی طرح یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ خاندان غفرانمآب (خاندان اجتہاد) ہی وہ تنہا خاندان ہے جس سے علم و بصیرت اور رُشد و ہدایت کی جو شمع دو سو سال قبل روشن کی گئی تھی وہ آج بھی نہ صرف اپنے پورے آب و تاب سے روشن و منور ہے بلکہ جانشینان غفرانمآب اس کی لو کو اور بڑھا رہے ہیں۔

جناب غفرانمآب کے بعد سلطان العلماء سید محمد صاحب مجتہد العصر سید العلماء سید حسین صاحب، جناب سید تقی صاحب، جناب سید ابراہیم صاحب، جناب سید علین صاحب، جناب میر آغا صاحب جناب آقا حسین صاحب، جناب کلب حسین صاحب، جناب مولانا سید علی نقی صاحب اور مولانا کلب عابد صاحب تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہے اور انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ہمارے یہاں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ ہم اسلاف پرستی کے مریض ہیں۔ پڑکھوں اور بزرگوں نے جو کچھ لکھ دیا یا فرمادیا بس وہ حرف آخر ہے اس کی تردید یا تنسیخ ایک گناہ عظیم سمجھا جاتا ہے۔ جہاں تک بزرگوں کا تعلق ہے ان کا ادب و احترام اور ان کے سامنے اپنے آپ کو ہچکچا کر ناظر کرنا شرافت و نجابت کا تقاضا ہے اور ایسا شخص اخلاق کی اعلیٰ قدروں پر فائز سمجھا جائے گا۔ لیکن کیا اس حقیقت سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ

کے لئے نظر اٹھائیں تو کس طرف اٹھائیں؟ ہمیں مذہب کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ یہی دیوار ہے جس سے ایک دکھتی ہوئی پیٹھ ٹیک لگا سکتی ہے۔

بلاشبہ مذہب کی وہ پرانی دیوار جس کی مافوق الفطرت کارفرمائیاں کا یقین ہمارے دل و دماغ پر چھایا رہتا تھا، اب باقی نہیں رہی۔ اب مذہب بھی ہمارے سامنے آتا ہے تو عقلیت اور منطق کی ایک سادہ اور بے رنگ چادر اوڑھ کر آتا ہے۔ ہمارے دلوں سے زیادہ ہمارے دماغوں کو مخاطب کرنا چاہتا ہے۔

فلسفہ شک کا دروازہ کھول دے گا اور پھر اُسے بند نہیں کرے گا۔ سائنس ثبوت دے دے گا مگر عقیدہ نہیں دے سکے گا لیکن مذہب ہمیں عقیدہ دیتا ہے اگرچہ ثبوت نہیں دیتا اور یہاں زندگی بسر کرنے کے لیے صرف ثابت شدہ حقیقتوں کی بھی ضرورت نہیں ہے بلکہ عقیدہ کی بھی ضرورت ہے۔“

اور دماغوں کو مخاطب کرنے والی حقیقتوں اور

عقیدوں کی ضرورت کی دعوت ہمیں رحمت مآب مولانا سید کلب عابد صاحب قبلہ مرحوم و مغفور کے مواعظ اور خطبات میں ملتی ہے۔

راقم الحروف نے ان کی تقریریں بھی سنی ہیں اور خطبات جمعہ بھی اور میں پورے یقین و اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ ”کتابی عالم“ نہیں تھے بلکہ ایک صحت مند مفکر تھے۔ اس لیے کہ:-

کتابی عالموں کی مثال اس کوڑے کی ہے جو کچھ کھاتا ہے اُسے چبا کر اگلتا ہے اور اپنے بچوں کی چونچ میں چونچ ڈال کر یہی اُگلاناوالہ ان کو کھلاتا ہے۔ مگر مفکر کی مثال پیلہ ریشم کی ہے جو شہوت کے پتے کھاتا ہے اور ریشم اُگلتا ہے۔“

حقیقی عالم ہمیشہ اصلاح خلق چاہتا ہے اور نمائشی عالم فساد۔ چنانچہ اتحاد بین المسلمین کے سلسلے میں ان کے مساعی ان کے صحت مند غور و فکر کا نتیجہ ہیں۔ یہی وقت کی پکار ہے اور یہی وقت کا تقاضا۔

خدا ہمیں مولانا کے چھوڑے ہوئے اس ادھورے کام کی تکمیل کی توفیق دے۔ آمین



### اردو میں سب سے پہلے خاندانِ اجتہاد نے قرآن حکیم کی خدمت انجام دی

یوں تو علمی دنیا میں بہت سے افراد دین و مذہب کی حدیثیں اور احکام قرآنِ نبی کی تبلیغ اپنا فریضہ سمجھا کئے لیکن اردو دنیا میں پہلی تفسیر بزبانِ اردو آیۃ اللہ سید علی طاب ثراہ نے تحریر فرمائی جو ”توضیح المجید“ کے نام نامی سے مشہور ہے اور اپنی نوعیت کا پہلا ترجمہ ہے۔ یہ اسی خانوادہ نے شائع کیا جس کا سہرا تاج العلماء سید علی محمد کے سر رہا۔